ثقافت، استعمار اور نصاب: مجالس النسا میں معیار سازی

(Culture, Colonialsim and Curriculum: Normalization in *Majalis un-Nisa*)

محمد نعیم

Abstract:

This article explores the normalization of Ashraf Culture and Colonizers in Majalis un-Nisa. It is argued that the colonial authorities tried at their capacity to keep themselves at length from the colonized physically and disseminated the discourse of colonial difference to present themselves as role models symbolically. While preparing the curricula under them, local scribes could only incorporate this differential discourse in the mirror of their cultural norms and world view.

Key Words: Hali, Foucault, Culture, Colonialsim, Curriculum, Normalization, Representation

نصاب کے لیے لکھا جانا، کسی کتاب کو اپنے موضوع اور مواد میں مخصوص و محدود بناتا ہے۔ایسی کتاب کی تیاری میں قارئین کے خاص طبقے، ذہنی پس منظر اور تعلیمی قابلیت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ یہ حدود کتاب کی ہیئت اور اسلوب پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس تحدید کے باوجود اپنے اثرات کے اعتبار سے ایسی کتاب وسیع امکانات کی حامل ہوتی ہے۔ یہ امکانات نصاب کی جغرافیائی اور زمانی حدود پر منحصر ہوتے ہیں: کتاب کن علاقوں میں اور کتنے عرصے تک نصاب میں شامل رہی۔ نصابی کتب طلباء کی ذوقی تربیت کرتی ہیں۔ تربیت سے ذوق کی تشکیل ہوتی ہے۔ اس تشکیل میں موضوعاتی اور اسالیبی استناد کا تعین ہوتا ہے۔ نصابی کتب کے عقب میں ادارہ جاتی طاقت (Institutional Power) کام کر رہی ہوتی ہے۔ اس طاقت کے سبب نصاب میں پیش ہونے والے موضوعات اور اسالیب مستند اور معیاری درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ نصاب میں شامل ہونا ہی معیاری ہونے کی نشانی ہوتی ہے۔ ناپسندیدہ غیر معیاری ہوتا ہے، اسی لیے کبھی نصاب کا حصہ نہیں بن پاتا۔ نصابی کتب کی تیاری سرکاری عمائدین کی نگرانی میں ہوتی ہے۔ ان میں تعلیمی پالیسی بنانے والے ماہرین سے لے کر نصابی کتب تیار کرنے والے مصنفین تک سرکاری ملازم براہِ راست اور حکمران بالواسطہ شامل ہوتے ہیں۔ حکومتیں عموماً عوام کو اپنی مطلوبہ ضرورتوں میں رکھنے ___ انھیں آدمی سے انسان بنانے[1] ___ کے لیے مخصوص تعلیمی نظام تشکیل دیتی ہیں۔

استعماری حکومت تو رعایا کے 'وحشی پن' سے کچھ زیادہ ہی خائف ہوتی ہے۔ اس لیے انھیں 'مہذب' بنانے کے موقعے تلاش اور پیدا کرتی رہتی ہے۔ مستعمری (Colonized) ذہنوں اور جسموں پر اجارہ داری قائم کرنے کے لیے اسے ہر لحظہ ایسے محکوموں کی ضرورت پیش آتی ہے جو اس کے بنائے ہوئے انتظامی ڈھانچے کے کل پرزے بھی بنتے جائیں اور اس نظام کے فیوض و برکات سے واقف ہو کر شکر گزار بھی ہوں۔ اس دہرے ہدف کے لیے نصاب کا ایک تیر ہی کاری ہوتا ہے۔ کل پرزے بنانے کے لیے محکوموں کو خاص 'ہنر' اور 'تعلیمی قابلیتوں' کی تربیت فراہم کی جاتی ہے۔ استعماری نظام کے فوائد اعداد و شمار کی صورت نصابوں کی زینت بنتے ہیں اور یوں ذہن سازی میں معاونت کرتے ہیں۔ استعمار کاری (Colonization) کو اسی لیے نصابی کتب کی روشنی میں سمجھنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

فوکو (Foucault) نے کلامیے (Discourse) کے تجزیے میں دکھایا ہے کہ کیا کہا جائے گا، کس طرح کہا جائے گا اور کون کہے گا، ان کا تعین بعض اداروں اور ان کے باہمی ربط ضبط سے ہوتا ہے۔ سماجی اصول اور جدید سماجی ادارے کلامیے کی مدد سے عمومی / معیاری (Normal) کی تشکیل کرتے ہیں۔ ''ان اداروں میں نفسیاتی، طبّی، اعترافی [عیسائی پس منظر میں] اور تعلیمی علوم و فعلیتیں شامل ہیں۔ معیار سازی سے فوکو کی مراد کسی مخصوص آبادی میں ایک تقسیمی (Distibutionary) شماریاتی (Statistical) معمولیہ (Norm) کے تصور کے گرد تعمیر ہونے والے پیمانے (Measurements)، درجہ بندی (Hierarchy) اور ضوابط (Regulations) ہیں ___ ایک تصور جو اس محاکے پر مبنی ہے کہ کیا معیاری (Normal) ہے اور نتیجے کے طور پر کیا غیر معیاری (Abnormal)۔''[۲] یہ ادارے معیار سازی قائم کرنے اور اسے ترویج دینے کے کام آتے ہیں۔ میعار سازی وہ معانی ہیں، جنھیں کسی کلامیے کے ذریعے متعین کیا جاتا ہے۔ یوں معانی کی پیدائش اور تعین دونوں اداروں کے رہینِ منت ہوتے ہیں۔ یہ تعین اس خوش اسلوبی سے کیا جاتا ہے کہ معانی غیر جانبدار، ہمیشہ سے موجود اور فطری محسوس ہوں۔ یہی کلامیے کا مقصد ہے اور اس کی کامیابی معیار سازی کی عمدگی اور تسلیم پر منحصر ہوتی ہے۔ اس مضمون میں ہمارا سروکار تعلیمی دنیا سے ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ استعماری پنجاب اور اودھ میں دہائیوں تک نصاب کا حصہ رہنے والی مجالس النسا (۱۸۷۴ء) معیار سازی کے عمل میں کس طرح شریک تھی۔ اس نے اپنے پیمانے، درجہ بندی اور ضوابط کیسے تشکیل دیے؟ انسانوں کو کن اقسام (Categories) میں بانٹا، ان گروہوں کی پیشکش (Representation) کیسے کی اور معیار (Normal) کا تعین کرتے ہوئے کن انسانی گروہوں کو غیر معیاری بنا کر پیش کیا۔ اس جائزے میں ہم نے صرف دو بنیادی متغیرات (Variables) 'استعماریت' اور 'اشراف ثقافت' کو استعمال کیا ہے۔ اس لیے اسے مجالس کا کلی تجزیہ نہ سمجھا جائے۔

مجالس النسا (۱۸۷۴ء) لاہور میں لکھی گئی اور سرکاری مطبع سے شائع ہوئی۔ حالی یہیں پنجاب بک ڈپو میں اسسٹنٹ ٹرانسلیٹر کی حیثیت سے ملازم تھے جن کے ذمے انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہونے والی کتب پر نظرِ ثانی اور عبارت کی درستی تھا۔ ان پہلوؤں سے دیکھیں تو امید بندھتی ہے کہ **مجالس** میں اپنے موضوع اور اس

کی پیشکش میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے گا کہ یہ جس علاقے اور ثقافت سے وابستہ طلبہ وطالبات کے لیے لکھی جا رہی ہے، ان کی نمائندگی کرے یا کم از کم ایسی لفظیات اور موضوع میں ایسے عناصر کو شامل کرے جن کا کسی نہ کسی طرح پنجاب سے واسطہ ہو۔ یہاں قارئین محض مضمر (Implied) نہیں، متعین ہیں۔ اگر ایسی توقع بے جا ہے تو امید کی جا سکتی ہے کہ یہ اپنے کلّی مزاج میں کسی خاص علاقائی پس منظر اور ثقافت سے اوپر اٹھ کر برِ عظیم کی ثقافتوں کے مشترک عناصر کو مرکز میں جگہ دے گی تا کہ 'علم' کی ترویج جو اس کتاب کا مقصد اور اہم ترین موضوع ہے، وہ کسی مخصوص علاقائی شناخت سے پھیکا نہ پڑ جائے۔

مجالس کے اسلوب کی جس خوبی کا ذِکر ___ دلی کی بیگماتی زبان ___ لکھنے والوں نے کیا ہے (۳)، وہی اس کے دائرہ کار کی حدود اور معیار سازی کا سبب ہے۔ حالی اگرچہ اپنے اسلوب میں برِ عظیم کے دیسی الفاظ کو بے دریغ استعمال کرتے ہیں تاہم اس کتاب کا مجموعی اسلوب ایک مخصوص نسوانی گروہ کے روزمرہ اور محاورے کی چھاپ لیے ہوئے ہے۔ یوں اسلوب کو بین الصوبائی بنانے کی بجائے اشراف ثقافت کے محدود دائرے میں رکھنے کی شعوری کاوش جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ لاہور میں بیٹھ کر جب وہ پنجاب بک ڈپو کے لیے لکھتے ہیں تو اپنے ثقافتی پس منظر سے اوپر نہیں اٹھتے۔ اسے حالی کی لاشعوری کاوش کہا جا سکتا تھا اگر ہم ان کی ثقافت میں اشراف اجلاف کی تقسیم سے ناواقف ہوتے۔ یوپی (استعماری عہد میں صوبجاتِ متحدہ، تقسیم کے بعد اتر پردیش) میں مسلم آبادی کو دو بڑے گروہوں اشراف اور اجلاف میں تقسیم کیا جاتا۔ اشراف سے غیر ہندوستانی (سید، شیخ [صحابہ کی اولادیں: صدیقی، فاروقی اور عثمانی وغیرہ]، مغل اور پٹھان) مسلمان مراد ہوتے تھے اور ہندوستانی مسلمانوں کو اجلاف پکارا جاتا۔ اجلاف کو مزید تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا: اعلیٰ ہندو ذاتوں (مثلاً راجپوت) سے اسلام قبول کرنے والے، قابلِ قبول پیشوں سے وابستہ نومسلم (جولاہے اور قصاب وغیرہ) اور ناپسندیدہ پیشوں سے متعلق ہندوستانی مسلمان (بھنگی، چمار)۔ یوپی میں انیسویں صدی کے آخری برسوں کے دوران میں اشراف کی آبادی پچیس لاکھ تھی جو صوبے کی کل مسلم آبادی کا نصف تھی۔ (۴) یوپی میں اشراف اجلاف پر مبنی سماجی امتیاز موجود تھا۔ حالی کے خاندانی پس منظر، ان کے کرداروں اور لفظوں کی پیش کش اور انتخاب کی تفہیم کے لیے اس امتیازی تقسیم کو سمجھنا ضروری ہے۔

حالی کے والد کا سلسلہ نسب حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے ملتا ہے اور ان کی والدہ سید تھیں۔ اشراف کی بنیادی شرط ___ غیر ہندوستانی نسب ___ پر وہ پورا اترتے ہیں۔ حالی اپنے جدِ امجد خواجہ ملک علی کی ہندوستان آمد کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> چوں کہ غیاث الدین اس بات میں نہایت مشہور تھا کہ وہ قدیم اشراف خاندانوں کی بہت عزت کرتا ہے اور اس کا بیٹا سلطان محمد علماء، شعراء و دیگر اہلِ کمال کا حد سے زیادہ قدردان تھا اس لیے اکثر اہلِ علم اور عالی خاندان لوگ ایران و ترکستان سے ہندوستان کا قصد کرتے تھے۔ اسی شہرت نے خواجہ ملک علی کو سفرِ ہندوستان پر آمادہ کیا۔ (۵)

اس بیان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حالی کی ثقافتی لغت میں 'اشراف' کی اہمیت کس قدر ہے۔ مسلم آبادی کی یہ ثنوی

تقسیم ___ دنیا کے دیگر مسلم سماجوں کی مانند، جہاں آبادی کی تقسیم قبائلی، لسانی، معاشی... بنیادوں پر ہوتی ہے ___ برِ صغیر میں ہی پائی جاتی ہے اور خاص طور پر یوپی کی ثقافت میں اس کی اہمیت ہے۔ یہاں پیشہ وروں اور جاگیرداروں میں امتیاز کے لیے یہ سماجی تقسیم کام آتی تھی۔ سلاطین اور مغلوں کی طرف سے جاگیرداری ___ کسی خاص علاقے کی زمینوں کی آمدن سے محصول اکٹھا کرنے کی ذمہ داری ___ عموماً غیر ہندوستانیوں کو عطا کی جاتی اور زمینداری مقامی آبادی کے حصے میں آتی۔ اس طرح انتظامی سطح پر اختیارات کی تقسیم اور کسی بڑی بغاوت یا اختیارات کے چند ہاتھوں میں ارتکاز سے بچاؤ کا انتظام کیا گیا تھا جو آگے چل کر سماجی سطح پر دو بڑی اقسام کا پیش خیمہ بن گیا۔

اس پس منظر کے بعد **مجالس** کے مرکزی کرداروں، زبیدہ خاتون اور اس کے فرزند سید عباس کا انتخاب واضح ہو جاتا ہے۔ حالی کے پیمانے یہاں اشرافی ہیں۔ مختلف کرداروں کی پیشکش میں درجہ بندی بھی اسی پیمانے پر ہوئی ہے۔ بالکل ابتدا میں ہی آتو جی اور مریم زمانی کے درمیان ہونے والی گفتگو میں جس طرح ''اشراف زادیوں'' کے بے علم رہ جانے پر تاسف کا اظہار کیا گیا ہے، اس سے صاف ہو جاتا ہے کہ اپنی پیش کش میں یہ کتاب یو پی کے اشراف کو معیار بناتی ہے۔ اسی لیے مجالس کو ایک محدود طبقے اور عہد کی نمائندہ قرار دیا گیا ہے۔(۶) اس کتاب میں علم کی افادیت ایک مخصوص طبقے تک محدود کرنے کی کاوش ملتی ہے۔ یہاں مسلمان یا ہندوستانی خواتین کی عمومی کم شرحِ خواندگی کا سوال نہیں اٹھایا گیا۔ سوال، اندیشہ اور تاسف صرف اشراف خواتین تک محدود ہے۔ اس لیے زیریں سطح پر یہ کتاب صرف اشراف کی تعلیم سے سروکار رکھتی ہے۔ یہاں یہ کہنا ممکن ہے کہ مصنف کا تعلق جس طبقے سے ہے اس کا تجربہ غیر شعوری طور پر کتاب کے مندرجات پر اثر انداز ہوا ہے۔ یہ تعبیر اُسی صورت کارگر تھی جب کرداروں کا محض انتخاب اشرافی ہوتا اور ان کی تربیت کا پورا نظام، اقدار، ہنر اور قواعد کسی خاص طبقے کی بجائے عمومی نوعیت کے ہوتے۔ مرکزی کردار زبیدہ کی تربیت میں یہ صاف موجود ہے کہ مجالس کی پیشکش کرداروں کو انگریزوں کے علاوہ دو بڑے سماجی طبقوں میں تقسیم کرتی ہے۔ زبیدہ کا تعلق اشراف سے ہے۔ تربیت کے دوران میں اس کی ماں نوکروں کے متعلق سے چند اہم 'ہدایات' دیتی ہے۔ یہ ہدایتیں اس کے گوش گزار کرنے سے پیش تر وہ زبیدہ کو تاکید کرتی ہے کہ دیکھ لو کوئی ملازمہ قریب تو نہیں۔ وہ سمجھاتی ہے کہ ملازمائیں سودا سلف لانے میں لازمی خرد برد کرتی ہیں، دام غلط سلط بتاتی ہیں۔ کام اگر اپنی نگرانی میں نہ کروایا جائے تو بگاڑ دیتی ہیں۔ ماں کا نقطہ نظر اور پوزیشن دونوں اشرافی ہیں۔ اس پیش کش میں کردار مالک اور ملازم کی ثنویت لیے ہوئے ہیں اور ملازموں کی تصویر کشی مالکن کے زاویۂ نظر سے کی گئی ہے۔ اس نصیحت بھری گفتگو میں ملازماؤں کی بدعنوانی سے بچنے کی تراکیب بھی بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً سودا سلف وقتاً فوقتاً مختلف ملازماؤں سے منگوایا جائے اور باہر سے آنے والی خواتین سے بھاؤ تاؤ بھی معلوم کرتے رہنا چاہیے تاکہ ملازموں کے ہیر پھیر سے بچا جا سکے۔(۷) یہ نمائندگی اشراف کو معیار بنا رہی ہے اور ملازموں کو غیر معیاری بنا کر پیش کر رہی ہے جو مالکوں کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ کرنے کے پھیر میں ہیں۔ نمائندگی کا یہ انداز عمومی انداز میں اپنے موضوع کو بیان کرتا ہے کہ سب کچھ فطری محسوس ہوتا ہے۔ ثقافت اور

آئیڈیالوجی کے مزاج میں یہ خو موجود ہوتی ہے کہ 'ہم' معیاری ہیں، ہمارا فرمایا ہوا مستند ہے اور ہمارا طرزِ زیست ہی فطری ہے۔ معیار سازی (Normalization) کا اہم حربہ اپنے تصورات کو فطری اور عام بنا کر پیش کرنا ہے۔

ایک سرکاری نصابی کتاب کے عمومی مزاج کے عین مطابق مجالس میں انگریزوں کی نمائندگی صرف توصیفی خصوصیات کی حامل ہے۔ انگریزوں کی محض خوبیاں ہی متن کا حصہ بنتی ہیں۔ اس نمائندگی میں افراط وتفریط کا یہ عالم ہے کہ مجالس کے دونوں مرکزی کرداروں زبیدہ خاتون اور سید عباس کی دونسلوں کی کہانی میں وکٹوریا ہندوستان اور سلطنت کی ملکہ بنی رہتی ہے۔ یہ قصہ زبیدہ خاتون کے بچپنے سے شروع ہو کر، اس کی تعلیم و تربیت سے شادی اور بعد ازاں شادی کے انیس برس بعد پیدا ہونے والے فرزند سید عباس کی جوانی تک کے واقعات کو محیط ہے۔ کم از کم پچاس برس پر پھیلے اس قصے میں جہاں بھی وکٹوریا کا ذکر آیا ہے، اسے ملکہ معظّمہ ہی کہا گیا ہے۔ اگر قصے کی اولین تاریخِ اشاعت ۱۸۷۴ء سے پچاس منہا کر دیں تو ۱۸۲۴ء کا سن بنتا ہے۔ وکٹوریا کو پورے قصے میں ''ہماری بادشاہ زادی'' کہا گیا ہے ___ حالاں کہ وہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہی ہندوستان کی ملکہ بنی۔ بیانیے کے اس تاریخی مغالطے کی طرف توجہ دلانے والی گیل منال (Gail Minault) کا خیال ہے کہ قصہ گھر کے اندر کی کہانی بیان کرتا ہے، اس لیے اگر اس کے واقعات خارجی تاریخ سے لگّا نہیں کھاتے تو اسے نظر انداز کر دینا چاہیے۔ (۸) ہماری رائے میں اس مغالطے کی ممکنہ طور پر دو وجوہ ہو سکتی ہیں، استعماری صورتِ حال اور نصابی کتاب۔ استعماریت نے انگریزوں کے باب میں دیسی افراد کے ذہن پر مرعوبیت کی چادر تان دی تھی اور حکومتِ وقت کو مثالی بنا کر پیش کرنا تو 'نصابی مجبوری' ہوتی ہے۔ اگر مصنف ایسا نہ بھی کرے تو 'مدیران' کی چھلنی اسی کارِ خیر پر مامور ہوتی ہے۔

ملکہ کی جن خوبیوں کا ذکر مجالس میں ملتا ہے، ان میں اولین خوبی علم کی بدولت ایک عورت ہونے کے باوصف اتنی بڑی سلطنت اور لاکھوں کروڑوں مردوں پر حکومت کرنا ہے۔ یہ کتاب علم کے فوائد اور خاص طور پر تعلیمِ نسواں کی طرف راغب کرنے کے لیے لکھی گئی۔ اس لیے وکٹوریا کی پہلی خوبی علم کا سامنے آنا موضوع اور مقاصد کے عین مطابق ہے۔ ایک ایسے دور میں جب عام تعلیمِ نسواں کے لیے سرسید تک راضی نہ ہوں، حالی کا یوں پُر زور انداز میں خواتین کی تعلیم کی حمایت کرنا قابلِ ذکر ہے۔ یہاں یہ غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے کہ حالی نے انگریزی سرکار کی ایما پر یہ کتاب لکھی، اس لیے اس کے مندرجات بھی اُس کے من چاہے ہوں گے۔ اس اعتراض کی گنجائش دو بنیادوں پر رد کی جا سکتی ہے۔ پہلی بنیاد خارجی اثرات کو قبول کرتے ہوئے فرد کے ثقافتی سرمائے اور اس کے ارادے کا عمل دخل ہے۔ ارادے کی تشکیل میں ثقافت کا کردار بہت زیادہ ہوتا ہے۔ فرد کے زاویہ نظر اور ادراک کی سرحدوں کا تعین ثقافت کرتی ہے۔ وہ اسی آئینے میں دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے اثرات بھی اپنے ثقافتی معیارات میں ڈھال کر قبول کرتا ہے۔ اوپر تفصیل سے دکھایا جا چکا ہے کہ کس طرح مجالس کی تخلیق پر حالی کے اپنے ثقافتی معیارات اثر انداز ہوئے۔ دوسری بنیاد حالی کی سوانح سے ملتی ہے۔ حالی تعلیمِ نسواں کے حوالے سے غیر معمولی طور پر حساس تھے۔ اس ضمن میں انھوں نے عملی کوششیں کیں۔ ۱۸۹۴ء میں حالی نے اپنی جنم بھومی پانی پت میں مدرسۂ نسواں کھولا۔ اس مدرسے میں درجۂ چہارم تک کی تعلیم کا انتظام موجود تھا۔ اس میں ان کے اپنے گھر کی خواتین

بھی تدریس کے فرائض سر انجام دیتی تھیں۔ چند برس میں یہ مدرسہ خواتین اساتذہ کی کمی کے سبب بند ہو گیا۔ مجالس کی اشاعت کے بیس برس بعد حالی کی یہ ذاتی کاوش اس امر کی غماز ہے کہ وہ خود اس معاملے میں کس قدر حساس تھے۔ اس لیے پریچٹ کا یہ کہنا بجا ہے کہ تعلیمِ نسواں حالی کے پسندیدہ ترین مقاصد(Favorite Cause) میں شامل تھا۔

یہ سمجھنا اہم ہے کہ کیا تعلیمِ نسواں کے لیے کی گئی ان کوششوں سے اشراف ثقافت میں موجود عورت اور مرد کی درجہ بندی منقلب ہو گئی تھی؟ عورت کا علم کی بنیاد پر مردوں پہ حکومت کرنا صرف وکٹوریا کی مثال میں ہی مذکور ہوا ہے۔ **مجالس** میں متعدد جگہوں پر شریف ثقافت کے معیارات کو بطور نمونہ (Norm) درج کیا گیا ہے۔ لڑکی کو ایک سے زائد بار 'باندی' بن کر رہنے کی تلقین کی ہے اور شوہر کے مقابلے میں اس کی کمتر حیثیت کا احساس دلایا گیا ہے۔ تعلیم کے باوجود عورتیں مردوں سے کم تر ہیں۔ اس کی پہلی بنیاد تو یہی ہے کہ مردوں کو پیدائشی برتری حاصل ہے۔ ان میں ''عقل وشعور'' عورتوں سے زیادہ ہے۔ زبیدہ خاتون کی والدہ اسے سمجھاتی ہے کہ میاں بیوی میں نہ بننے کی وجہ عورتیں ہیں جو اپنی کم علمی اور کوتاہ عقلی کے سبب مردوں کے دل اور مزاج کو سمجھ نہیں پاتیں اور ناچاقی کا الزام اُلٹا مردوں کے سر رکھتی ہیں۔ اگر تعلیم یافتہ عورتیں شوہروں کے دل اپنے ہاتھ میں رکھتی ہیں تو یہ محض ان کی علمیت کا کمال نہیں، ''وہ کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف نہیں کرتیں۔'' (۹) انگریز خواتین کی بڑائی کے بیان میں بھی مصنف کی ثقافت اثر انداز ہوئی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر وہ انگریزوں کو بہت مہذب گردانتے تھے تو ان کے مقلدِ محض نہیں بن گئے تھے۔ انھوں نے اپنی اور انگریزی ثقافت میں مکالمے کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیڈیوں میں انھیں جو خوبیاں دکھائی دیں وہ انگریزی سے زیادہ ان کے اپنے ثقافتی منطقے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کی ایک مثال وکٹوریا کے بیان میں سامنے آتی ہے۔ کتاب میں مذکور اس کی مختلف خوبیوں میں خاوند سے محبت اور اس کی تابعداری بھی بطور مثال شامل ہیں۔ حالی نے لکھا:

> میں نے سنا ہے کہ ہماری بادشاہ زادی ملکہ وکٹوریا جو آج دنیا کی چوتھی کھونٹ کی مالک ہیں، اپنے میاں کی اس قدر خاطر داری کرتی تھیں کہ کبھی ان کے دل پر میل تک نہ آنے دیتی تھیں اور میاں کے ساتھ جو ان کی محبت تھی، یہ تو ایک زمانہ جانتا ہے۔ سنا ہے جب ان کے میاں کا انتقال ہوا تو ملکہ معظّمہ مدتوں ان کے سوگ میں رہیں اور ایک کتاب بھی انھوں نے ساری میاں ہی کے حال میں لکھی ہے۔ (۱۰)

حالی کے یہاں انگریزی خوبیاں اشراف ثقافت کے آئینے میں سامنے آتی ہیں۔ مجالس میں پیش کی گئی وکٹوریا ان اوصاف کا مرقع ہے جن کی اہمیت حالی کی ثقافت میں تھی۔ اس پیشکش میں استعماریت اور دیسی ثقافت باہم مدغم ہوتے نظر آتے ہیں۔ اگر استعماریت کے سبب ملکہ کو اعلیٰ ترین مرتبہ حاصل ہوتا ہے تو اُس کی خوبیاں حالی کے ثقافتی پس منظر سے ابھرتی ہیں۔

وکٹوریا کی جو خوبیاں مجالس میں دکھائی گئی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے: رحم دل، خلق والی، تصویر کھینچنے میں ماہر،

میاں کی خاطر داری کرنے والی اور عالم۔ ان اوصاف میں تصویر کھینچنے کی مہارت جدت کا حامل وصف ہے۔ علم کا وصف تعلیمِ نسواں کی ترویج کے لیے آیا ہے، باقی اوصاف حالی کی ثقافت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے ملکہ کی تصویر حالی کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔ ہر معاملے میں ملکہ کو معیار ماننا ایک اور حوالے سے بھی اہم ہے۔ اس پیش کش کو بھی حالی کی ثقافتی صورتِ حال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ مجالس کی انگریزی مترجم نے اسے حالی کے ملازمت پیشہ اشرافیہ سے تعلق کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔[۱۱] حالی کے آباؤ اجداد سلاطین اور مغلوں کے دربار سے وابستہ رہے۔ ان کے والد خاندان کے پہلے فرد تھے جنھوں نے انگریزوں کی ملازمت اختیار کی۔ حالی اور ان کے خاندان کی ملازمت دستگیری (Patronage) کے ادارے سے متعلق رہی۔ خود حالی نے اپنے جد امجد کو عطا کی جانے والی جاگیرداری کے بیان میں سلطان بلبن کا ذِکر جس محبت سے کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے وہ دستگیری کے اس ادارے کو ایک ثقافتی قدر کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ منال کے بقول خود حالی بھی ملازمت کے لیے محکموں سے زیادہ مربیوں کے متلاشی رہے جو انھیں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ اور کرنل ہالرائیڈ کی صورت میسر آئے۔ مجالس میں وکٹوریا کا ذکر جس والہانہ انداز میں آیا ہے اس کا سبب دستگیری کے ادارے سے وابستگی اور اس سے منسوب اقدار ہیں۔ حالی اور ان جیسے دیگر ملازم پیشہ اشراف دستگیری کے ادارہ جاتی ڈھانچے کو ختم کرنے کے حق میں نہیں تھے۔[۱۲] اس لیے ان کے ہاں جو تکریم مغلوں کو حاصل ہے، ویسی ہی عزت وہ انگریزوں کو دیتے ہیں۔ یوں اپنے مربی سے تعلقِ خاطر کی روایت قائم رہتی ہے۔ جس طرح ہمایوں کی جگہ شیر شاہ سوری لے لیتا ہے اور امجد کی جگہ واجد، اسی طرح اگر بہادر شاہ ظفر کی جگہ وکٹوریا نے لی ہے تو اس سے دستگیری کے ادارے پر فرق نہیں پڑا، صرف مربی تبدیل ہوئے ہیں۔ جو اس سے پیشتر بھی ہوتے رہتے تھے۔ اس لیے وکٹوریا کو سماجی درجہ بندی میں عین وہی اوج حاصل ہے جو اس سے پہلے مغل بادشاہوں کو حاصل تھا۔

استعماریت کے اثرات انگریزوں کی عمومی پیشکش میں بھی جھلکتے ہیں۔ ابتدا میں ہی انگریز سو فی صد خواندہ قوم کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ تعلیم کی اہمیت جتانے کے لیے انگریزوں کو خواندہ بتانا ضروری تصور کیا گیا ہے۔ تعلیم یافتہ کی ذیل میں اورنگ زیب کی بیٹی جہاں آرا بھی بطور مثال سامنے آئی ہے لیکن اوّلیت اور اہمیت انگریزوں کو حاصل ہے، ''جن کا بچہ بچہ پڑھا لکھا اور کیا مرد کیا عورت سب عقل کے پتلے ہیں۔''[۱۳] یہ پیش کش ادھوری اور استعمار زدہ ہے۔ ایک طرف ایک عورت ہے تو دوسری طرف پورا سماج ہے جو محض خواندہ نہیں، پورے کا پورا عقل کا پتلا بھی ہے۔ حالی کے اپنے ثقافتی منطقے میں عورت کو ناقص العقل مانا جاتا تھا۔ مجالس میں بھی بیان ملتا ہے کہ مردوں کی عقل عورتوں سے سوا ہے اور عورتوں کے پاس عقل سیکھنے کے وہ مواقع بھی دستیاب نہیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ جیسے مختلف علاقوں کا سفر، گھر کی چار دیواری سے باہر موجود حکما، دانش مندو ں اور علما سے میل ملاقات کے امکانات۔ عورتوں کے بالمقابل مردوں کو علم کے رسمی اور غیر رسمی مواقع حاصل ہیں۔ شریف ثقافت کے عین مطابق حالی خواتین کے گھر سے باہر جا کر تعلیم حاصل کرنے کو نہیں دکھاتے۔ مرکزی کردار زبیدہ ___ مراۃ العروسکی اصغری کی مانند ___ گھر پر ہی تعلیم حاصل کرتی ہے۔ حالی کے نقطہ نظر میں اتنی گنجائش بہر حال موجود ہے کہ پردے میں

رہتے ہوئے لڑکیاں پڑھنا لکھنا سیکھیں۔ جس تعریفی انداز میں انھوں نے انگریز خواتین کا ذکر کیا ہے، اس سے استنباط کیا جا سکتا ہے کہ حالی اپنے سماج میں بھی خواتین کے کردار کو وسعت دینے کے حامی تھے۔ یادر ہے کہ زبیدہ کے تعلیمی مندرجات میں اُس دور کے ثانوی درجے تک کے قریب قریب وہ تمام علوم وفنون شامل ہیں جو مردوں کو سکھائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر حساب میں کسورِ عام سے کسورِ اعشاریہ تک، تحریرِ اقلیدس کے دو رسالے اور فارسی کی اخلاقی کتب۔ اس کے علاوہ حالی لڑکیوں کو لکھنا سکھانے کے حق میں بھی ہیں، جو اُس دور میں اُن کے لیے علاقہ ممنوعہ تصور کیا جاتا تھا۔ (۱۴)

مجالس پنجاب میں تحریر اور شائع ہوئی۔ اس میں دو ثقافتی معیارات سامنے لائے گئے ہیں: انگریز اور یو پی کے اشراف۔ کتاب تصوراتی اور عملی نوعیت کے مسائل کی سطح پر انھی دو کو معیار بنا کر پیش کرتی ہے۔ نمائندگی کے دوران ان دو ثقافتی گروہوں کو معیار بنایا گیا ہے۔ انگریز بطور مثالی نمونہ سامنے آئے ہیں اور اشراف کی نظر سے دنیا اور کائنات کو دکھایا گیا ہے۔ ہنر اور صلاحیتیں جو مطلوب ہیں، وہ بھی موخرالذکر کی مناسبت سے سامنے آئی ہیں۔ اپنے پیمانوں، ضوابط اور درجہ بندی میں مجالس انھی دو کو معیارات بناتی ہے۔ اس درجہ بندی میں اولیت انگریزوں کو حاصل ہے جو علم سے لے کر گھر داری تک مثالی نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسرا درجہ اشراف کا ہے۔

کسی مصنف سے یہ مطالبہ کرنا کہ اس نے فلاں موضوع پر لکھا اور فلاں پر نہیں، غیر ادبی رویہ ہے۔ مصنف کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ جو چاہے اور جیسے چاہے لکھے۔ اس مضمون میں ہمارا سروکار لکھے ہوئے کے ممکنہ نتائج سے ہے۔ جب ایک خاص خطے میں بیٹھ کر لکھتے ہوئے اسے بالکل نظر انداز کر دیا جائے اور اس کے لیے دیگر ثقافتوں کے نمونے بطور مثال درج کیے جائیں تو اس کے چند مضمرات ہوتے ہیں۔ نصابی کتاب مستقبل کے شہریوں کو تیار کرتی ہے۔ اسی لیے اس کے نمائندگی کے طریقہ کار سے آئندہ آنے والی ثقافت اور ثقافت کو دیکھنے کے اسالیب کا تعین ہوتا ہے۔ نصابی کتب کی نمائندگی اور معیارات کو دیکھنا اسی لیے اہمیت کا حامل ہے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں قائم ہونے والے یہ معیارات آگے چل کر موجودہ پاکستانی علاقے کی لسانی وثقافتی تفہیم اور درجہ بندی پر اثر انداز ہوئے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی:

(۱) آدمی اور انسان کے فرق اور حکومتوں کو آدمیوں کی بجائے انسانوں کی ضرورت کیوں درپیش رہتی ہے، ان معاملات پر تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد حسن عسکری، ''آدمی اور انسان،'' مشمولہ **مجموعہ محمد حسن عسکری** (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ص ۵۶-۳۳۔

(2) Stephen J. Ball, "Introducing Monsieur Foucault," in Foucault and Education: Disciplines and Knowledge, ed. by Stephen J. Ball(London &

New York: Routledge, 1990), p.2

فوکو کے تصورِ معیار سازی کی تفہیم کے لیے مجھے ایاز نسیم کے درج ذیل مضمون سے بھی مدد ملی:

Ayaz Naseem, "Textbooks and the Construction of Militerization in Pakistan," in Shaping a Nation: An Examination of Education in Pakistan, ed. by Stephen Lyon & Iain R. Edgar (Karachi: Oxford University Press, 2010), p. 148-57.

(۳) مجالس کے اسلوب میں دلی کی بیگماتی زبان کے رنگ کی تعریف درج ذیل ادیبوں نے کی ہے:
ڈاکٹر جمیل جالبی، **تاریخ ادب اردو**، جلد چہارم (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۲ء)؛ صالحہ عابد حسین، **یادگارِ حالی** (میر پور، آزاد کشمیر: ارسلان بکس، س ن)؛

Gail Minault, ***Voices of Silence***: English Translation of Hali's Majalis-un-Nissa and Chup ki Dad (Delhi: Chankya Publications, 1986)

(4) Francis Robinson, ***Separatism Among Indian Muslims***: The Politics of the ***United Provinces,1860-1923*** (New York: Cambridge University Press, 1974), p. 39-45.

(۵) حالی نے نواب عمادالملک بہادر کی فرمائش پر ۱۹۰۱ء میں ۱۶ صفحات پر مشتمل اپنے سوانحی حالات لکھے تھے۔ حامد حسن قادری نے اپنی تاریخ میں حالی پر لکھتے ہوئے ان حالات کو جوں کا توں نقل کر دیا ہے۔ یہ اقتباس اسی تاریخ سے مستعار ہے۔ حامد حسن قادری، **داستان تاریخ اردو** (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۸ء[۱۹۴۱ء])، ص ۶۱۰۔

(6) Gail Minault, tr. ***Voices of Silence***, p. 17.

(۷) الطاف حسین حالی، **مجالس النسا**، حصہ اوّل (لاہور: مکتبہ سرکاری، ۱۸۸۳ء)، ص ۸-۴۷۔

(8) Gail Minault, tr. ***Voices of Silence***, p. 17.

(۹) حالی، **مجالس النسا**، حصہ اوّل، ص ۳۸۔

(۱۰) ایضاً، حصہ اوّل، ص ۶۷۔

(11) Gail Minault, tr. ***Voices of Silence***, p. 9.

(۱۲) بحوالہ حامد حسن قادری، **داستان تاریخ اردو**، ص ۶۱۰۔

(۱۳) حالی، **مجالس النسا**، حصہ اوّل، ص ۸-۳۶۔

(۱۴) ایضاً، حصہ اوّل، ص ۶۰۔